(آخری قسط)

مولانا سعید الرحمٰن ندوی ناظم،
فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور، بھارت

قرآن عظیم اور نظام کائنات

عالم طبیعی کی غیر معمولی وسعت اور خارجی زمینوں کی کثرت پر جدید اعجازی قرآنی بصائر

اس وقت یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ یہاں ﴿فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ﴾ کے ذریعے جس طرح زمینوں کو دو دن میں ساتوں آسمانوں میں درست کر دے جانے کا سبق دیا جا رہا ہے، اس مفہوم میں پہلے خود ان آسمانوں کو سابقہ دھویں والی حالت سے موجودہ ہیئت میں متشکل کیا جانا بھی شامل ہے، جیسا کہ ایک اور موقع سے زمینوں کا آسمانوں کی تخلیق کے بعد ہی بچھایا اور پھیلایا جانا مذکور ہوا ہے:

۶- ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ، بَنٰهَا. رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا. وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا. وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا﴾ (نازعات: ۲۷-۳۰)

ترجمہ: بھلا تمہیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمانوں کا، جنہیں اس نے بنایا ہے؟ اس نے ان کی چھت بلند کی اور انہیں ٹھیک ٹھاک کیا۔ اور ان کی راتوں کو تاریک کیا، اور ان کے دنوں کو ظاہر کیا۔ اور زمینوں (کا جہاں تک تعلق ہے) اس نے انہیں اس کے بعد ہی پھیلایا ہے۔

چنانچہ یہاں سب سے پہلے آسمانوں کی تخلیق کی خبر دینے کے بعد ہی ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا﴾ کے ذریعے یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ زمینوں کو پھیلایا گیا ہے۔ نیز یہاں ان دونوں بیانات کے عین وسط میں ﴿وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا﴾ کے ذریعے ہمیں بتایا جا رہا ہے کہ ان کی درمیانی ایک کڑی اور بھی ہے۔ چنانچہ باریٔ تعالیٰ نے جب ان آسمانوں کی راتوں کو تاریک اور دنوں کو روشن بھی بنایا ہے تو اس سے بخوبی مستنبط ہوتا ہے کہ لیل و نہار کی اس تخلیق سے اشارہ حقیقتاً سورجوں کی تخلیق ہی کی جانب ہے، جن کے بغیر ان کا ورود و ذہاب ناممکن ہوتا ہے۔ اس طرح زمینوں کی تخلیق سے قبل ہی ان کے مراکز سورجوں کی تخلیق بھی منصوص طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے آسمانوں کی تخلیق کی گئی تھی، پھر سورجوں کی اور ان کے بعد زمینوں کی۔ نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ شمارہ سابقہ شمارے میں موجود ظاہری ابہام کی توضیح و تشریح کرنے والا اور وہاں ہمارے اخذ کردہ مفہوم کو مزید مضبوط و مستحکم کرنے والا بھی ہے۔ چنانچہ اس مفہوم کی مزید تائید و تقویت حسب ذیل آیت کریمہ اس طرح کرنے والی ہے:

۷- ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ، یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ (طلاق:۱۲)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے، اور انہیں کی طرح زمینیں بھی، ان میں حکم نازل ہوتا رہتا ہے، تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا علمی اعتبار سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔

یہی ہے وہ آیت کریمہ جس سے استشہاد کرتے ہوئے دور قدیم ہی سے مفسرین کی ایک بڑی جمعیت سات آسمانوں کی طرح سات زمینوں کی بھی قائل رہی ہے۔ ان کے مطابق ﴿مِثْلَهُنَّ﴾ میں ضمیر جمع مؤنث غائب کا مرجع ﴿سَبْعَ﴾ تھا۔ مگر غور کیا جاسکتا ہے کہ اگر بات ایسی ہی ہوتی تو قرآن حکیم براہ راست "خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّسَبْعَ اَرْضِیْنَ" کہہ دیتا، اور اسے عبارت میں ظاہری ابہام پیدا کرنے کی چنداں ضرورت نہ رہتی۔ درحقیقت زمینوں کے تعدد کے بیان میں کتاب اللہ کی جس احتیاط اور دور اندیشی کا مشاہدہ ہم نے پچھلے صفحات میں کیا ہے معاملہ یہاں بھی ٹھیک وہی ہے۔ چنانچہ اگر ہم قرآن عظیم میں ﴿السَّمٰوٰتُ﴾ کے دیگر مناسبتوں سے استعمال کا بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ کلام الٰہی ساتوں آسمانوں اور ان میں موجود سارے اجرام کی تعبیر جس طرح ﴿السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ (آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے) سے کرتا ہے کبھی صرف ﴿السَّمٰوٰتُ﴾ (آسمانوں) سے بھی کر دیتا ہے۔ ان دونوں استعمالات کی بالترتیب مثالیں اس طرح ہیں:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ...﴾ (فرقان:۵۹)

ترجمہ: جس نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے انکی تخلیق چھ دن میں کی، پھر عرش پر استوا فرمایا۔

﴿اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ.﴾ (اعراف:۵۴)

بیشک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق چھ دن میں کی، پھر عرش پر استوا فرمایا۔

ان دونوں باہم مشابہ آیات میں چھ دنوں کی تخلیق کی تصریح سے ظاہر ہے کہ یہاں ساتوں آسمان اور ان میں موجود ساری زمینوں اور دیگر تمام اجرام کی تخلیق کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اگر ہم ان مظاہر فطرت کی ایک وسیع تر تقسیم کریں تو وہ تین بنیادی اجزا پر مشتمل ہوگی: (۱) ساتوں آسمان، (۲) کل زمینیں اور (۳) دیگر سارے اجرام سماوی۔ یہاں پہلی آیت میں خود قرآن مجید نے بھی کائنات کی ٹھیک اسی سہ گانہ تقسیم کا لحاظ کرتے ہوئے ان تینوں اجزا کی تعبیر بالترتیب ﴿السَّمٰوٰتُ﴾ (آسمانوں)، ﴿الْاَرْضُ﴾ (زمینوں) اور ﴿وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ (ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے) کے ذریعے کی ہے۔ جب کہ دوسری آیت میں تیسرے جز ﴿وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ کو کلی طور پر حذف کرتے ہوئے صرف ﴿السَّمٰوٰتُ﴾ اور ﴿الْاَرْضُ﴾ کے ذکر ہی پر اکتفا کیا گیا ہے، جس سے مستنبط ہوتا ہے کہ یہاں اس تیسرے جز کو پہلے جز میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس دوسری تقسیم سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی نظر میں ﴿السَّمٰوٰتُ﴾ ایک نہایت جامع اور وسیع ترین لفظ ہے، جو ساتوں آسمانوں اور ان میں موجود سارے سورجوں اور

دیگر تمام اجرام پر بھی دلالت کرنے والا ہے، اور جس کی تاکید کبھی ﴿سَبْعَ﴾ (سات) سے اور کبھی ﴿السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ (آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے) سے کردی جاتی ہے۔ اسی طرح شمارہ ۵ میں لقمان والی آیت کے تحت بھی اس کا استعمال ملحوظ خاطر رہے، جو نظر نہ آنے والے ستونوں کے سہارے پیدا کئے گئے سارے ہی اجرام سماوی بشمول ساری زمینوں کو بھی بحسن وخوبی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ چنانچہ اس سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ یہ لفظ مفرد طور ہی پر سارے آسمانوں کے کل اجرام پر بھی دلالت کرنے والا ہے۔ نیز ان دلائل سے صرف نظر آسمانوں کے مفہوم میں ان کے تمام اجرام کا شامل ہونا ایک بدیہی حقیقت بھی ہے۔ جیسا کہ صرف کسی ملک کا نام لے کر اس سے اس کے کل باشندوں کا مراد لیا جانا روزمرہ کا عام استعمال بھی ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ ہندوستان ایک کثیر المذاہب ریاست یا انگلستان ایک ترقی یافتہ مملکت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مذاہب کی کثرت اور ترقی ان کے باشندوں میں ہوتی ہے نہ کہ ان کے نفس ممالک میں۔

لہٰذا اب ﴿السَّمٰوٰتُ﴾ کے اس جدید مفہوم کی وجہ سے ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ کا مطلب ایک اور مرتبہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح سات آسمان بشمول ان کے تمام اجرام اور خصوصاً سورج پیدا کئے ہیں ٹھیک انہیں کی طرح زمینیں بھی پیدا کی ہیں۔ یعنی پچھلے شمارے میں اگر ساتوں آسمانوں میں زمینوں کے وجود سے ہر جگہ ان کے مراکز سورجوں کے وجود اور خود سورجوں کے وجود سے ان کی ماتحت زمینوں کے وجود پر دلیل قائم کی گئی تھی تو موجودہ شمارے میں صراحتاً ان زمینوں کی تعداد خود سورجوں کے ہم مثل قرار دے کر اس کے ذریعے وہاں رہنے سہنے ابہام کو بھی دور کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس سے نہایت واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ موجودہ شمارہ حقیقتاً پچھلے شمارے کی مزید تاکید وتقویت اور تشریح وتوضیح ہی کی خاطر لایا گیا ہے۔ اس طرح یہاں ﴿مِثْلَهُنَّ﴾ میں مثلیت کا تعلق صرف ﴿سَبْعَ﴾ سے نہیں بلکہ ﴿سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ دونوں ہی سے ہو جاتا ہے۔ اب اگلے باب میں ہم اس آیت کریمہ پر مزید روشنی خود اسی کے سیاق کی آیات سے بھی ڈالیں گے، جس سے اس قرآنی انکشاف میں اور زیادہ نکھار پیدا ہو جائے گا۔

جیسا کے شروع باب میں عرض کیا جا چکا اس وقت یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ جدید فلکیات موجودہ کائنات کے علاوہ متعدد مزید کائناتوں کے ممکنہ وجود پر بھی ٹھوس علمی واستدلالی شواہد اکٹھا کر رہی ہے، جس کے نتیجے میں universe کی جگہ multiverse کا نظریہ جڑ پکڑتا جا رہا ہے۔ البتہ ابھی وہ اس نظریے یا نظریات کے خدوخال کو تشفی بخش طور پر واضح نہیں کر سکی ہے۔ مگر جیسا کہ مسلسل پچھلے چار شمارات کے ملاحظے سے مدلل طور پر ثابت ہو رہا ہے قرآن مجید نے ان کے ذریعے ان ممکنہ کائناتوں کو نہایت یقینی صورت حال میں تبدیل کرتے ہوئے نہ صرف ان کی بنیادی ساخت وپرداخت کو واضح کر دیا ہے بلکہ نہایت دوٹوک الفاظ میں ان کے معین عدد تک کی بھی تصریح کر دی ہے۔ چنانچہ جدید فلکیات کی رو سے ثابت شدہ ہماری ساری کائنات قرآن حکیم کے مطابق ہمارے موجودہ صرف ایک دنیوی

آسمان کے اندر واقع ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بقیہ چھ آسمان چھ دیگر کائناتیں ہیں، اور وہاں بھی چاند، ستاروں، سورجوں، زمینوں اور دیگر اجرام کا یہی سلسلہ جاری وساری ہے۔ آج آسمانوں سے کائناتوں کا مراد لیا جانا اس لئے بھی ناگزیر ہے کہ خود موجودہ شمارے ہی کے مطابق فی الحال ہم سب سے قریبی آسمان میں ہیں، اور شمارہ ۴ کے مطابق بقیہ چھ آسمان ہمارے اوپر طبق در طبق واقع ہونے کی وجہ سے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ اور فلکیات کا دعوی بھی ٹھیک یہی ہے کہ ساری کائناتیں موجودہ کائنات کے ماوراء اور ہم سے پوشیدہ ہیں۔

نیز مذکورۂ بالا شمارات کے ملاحظے سے ایک انقلابی اور نہایت دوررس حقیقت یہ بھی ثابت ہورہی ہے کہ قرآن حکیم میں ﴿اَلْاَرْضُ﴾ کا استعمال بطور اسم جنس ہی ہوا ہے، جس کی تاکید کبھی کبھار ﴿جَمِیْعًا﴾ سے کی جاتی ہے، یا اس کی جانب ضمیر جمع سے اشارہ کردیا جاتا ہے، کیونکہ کتاب اللہ زمینوں کی اس قدر کثرت کی قائل ہونے کے باوجود اس پر دلالت کے لئے کہیں بھی "سَمٰوٰتٌ" ہی کی طرح بصیغہ جمع "أَرْضُوْنَ" یا "أَرْضِیْنَ" کا استعمال قطعاً نہیں کرتی ہے۔ اس کلیے کی مزید تاکید وتقویت کے لئے کچھ اور قرآنی دلائل بھی ملاحظہ ہوں:

۸- ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ أَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ... ﴾ (یونس:۳)

ترجمہ: بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے چھ دن میں سارے آسمان اور زمینیں بنائیں، پھر عرش پر استوا فرمایا۔

اللہ تعالی نے پورے چھ دن میں جس کی تخلیق فرما کر عرش پر استوا فرمایا وہ سارے آسمان اور ان میں موجود سارے اجرام سماوی اور زمینیں ہیں۔ مگر اس موقع پر ﴿اَلْاَرْضُ﴾ مفرد ہی لائی گئی ہے۔

﴿أَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا... ﴾ (انبیاء:۳۰)

ترجمہ: "کیا کفار نے نہیں دیکھا کہ سارے آسمان اور زمینیں آپس میں ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا جدا کردیا" اس آیت میں جس مادے کے آپس میں ملے ہوئے رہنے کی خبر دی جارہی ہے وہ اپنی پیدائش سے قبل بلا استثنا سارے آسمانوں بشمول ساری زمینوں اور دیگر اجرام سماوی کا ہے۔ مگر یہاں بھی ﴿اَلْاَرْضُ﴾ بطور صیغہ واحد ہی آئی ہے۔

﴿یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَیَّانَ مُرْسٰهَا، قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ، لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ، ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ... ﴾ (اعراف:۱۸۷)

ترجمہ: وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ قیامت کا وقوع کب ہوگا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے، وہی اسے اپنے وقت پر ظاہر کریگا، وہ سارے آسمانوں اور زمینوں میں بھاری ہوگی۔

﴿وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ... ﴾ (زمر:۶۸)

ترجمہ: صور پھونکا جائے گا تو جو کوئی سارے آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب کے سب بے ہوش ہوجائیں گے بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے۔

قیامت کا عموم سارے آسمانوں اور ان میں موجود جمیع اجرام پر ہوگا، مگر ان دونوں آیات میں بھی

﴿اَلْاَرْضُ﴾ کا استعمال بطور صیغہ واحد ہی کیا گیا ہے۔

﴿... وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ...﴾ (بقرۃ:۲۵۵) ترجمہ: اس کی کرسی آسمانوں اور زمینوں پر محیط ہے۔

اللہ جل جلالہ کی کرسی سارے آسمانوں اور ان کے مشتملات کو گھیرے ہوئے ہے، مگر ان سارے آسمانوں کے لئے ﴿اَلْاَرْضُ﴾ پھر ایک مرتبہ مفرد طور پر لائی گئی ہے۔ چنانچہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب اللہ میں ﴿اَلْاَرْضُ﴾ کا استعمال اعجازی انداز میں بطور اسم جنس ہی ہوا ہے۔ یہاں ایک عقلی توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ خود لفظ ﴿السَّمٰوٰتُ﴾ میں آسمانوں کی دیگر زمینیں بھی شامل ہونی چاہئے، کیونکہ خود ہماری زمین بھی دیگر زمینوں کے لئے "سَمَآءٌ" ہی کے قائم مقام ہوتی ہے۔ اگرچہ قرآن حکیم میں اس نوع کی بھی وافر مثالیں موجود ہیں، جیسے کہ خود شمارہ ۵ کے تحت مذکور لقمان والی آیت۔ مگر یہ تعریف کتاب اللہ کی صرف جزوی صداقت کو ظاہر کرنے والی ہوگی، کیونکہ وہ آیات جہاں ﴿السَّمٰوٰتُ﴾ کے بغیر صرف ﴿اَلْاَرْضُ﴾ ہی سے زمینوں کا تعدد مراد لیا گیا ہے وہاں یہ توجیہ ناکام ہو جائے گی۔ ابھی اس نوع کی بہت ساری آیات حسب موقع و حال اگلے صفحات میں بھی پیش ہونگی، جس سے اس حقیقت میں اور زیادہ نکھار پیدا ہو سکے گا۔ لہٰذا جب تک دیگر قرائن سے پتہ نہ چل سکے کہ ﴿اَلْاَرْضُ﴾ سے ہماری صرف یہی ایک زمین مراد ہے اسے اسم جنس ہی شمار کیا جائے گا۔ البتہ جہاں جہاں ﴿السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ کی ترکیب لائی گئی ہے یا ﴿اَلْاَرْضُ﴾ کو ﴿السَّمٰوٰتُ﴾ کے سیاق وسباق میں استعمال کیا گیا ہے وہاں ہر جگہ ساتوں آسمان اور ان میں موجود ساری ہی زمینیں مراد ہونگی۔ اسی طرح ﴿السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ سے بھی یہی مفہوم مراد ہوگا، کیونکہ ﴿السَّمَآءُ﴾ اسم جنس بھی ہے۔ کبھی کبھار بطور تاکید ﴿السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ یا ﴿السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ کی ترکیبات بھی لائی جاتی ہیں۔

یہ تھے زمینوں کی بے انتہا کثرت پر حقیقی الفاظ و تعبیرات کے ذریعے بیان کئے گئے کچھ ربانی ارشادات۔ ابھی اس موضوع سے متعلق ڈھیر ساری آیات ایسی بھی ہیں جہاں ان کا اثبات مجازی الفاظ و ترکیبات کے ذریعے کرتے ہوئے ان میں بسی مخلوقات کے احوال و کوائف پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے، جنہیں ہم اگلے ابواب میں مناسب مواقع سے پیش کریں گے۔

لہٰذا اب تک کے سارے ہی شمارات کے ذریعے نہایت مدلل طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن حکیم زمینوں کے بیان میں ایک منظم اور نہایت گہری منصوبہ بندی کے تحت قصداً ایسے حکیمانہ الفاظ و تعبیرات کا انتخاب کرتا ہے کہ اگر متقدمین پر ان کا صحیح عدد پوری طرح واضح نہ ہو سکے تو دوسری جانب ایک معین وقت پر جب متاخرین خود اپنے علوم وفنون کے بل بوتے اس حقیقت تک رسائی حاصل کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو جائیں تو اس وقت ان کا مدلول ومفہوم از خود روز روشن کی طرح عیاں ہو کر ان پر اپنا عظیم ترین علمی اعجاز پیش کر سکے۔ چنانچہ یہ حکمت عملی اس لئے اپنائی گئی ہے کیونکہ کتاب الٰہی عقل ونقل کے درمیان اس بے نظیر وخیرہ کن تطبیق وہم آہنگی کی روشنی میں انسان کی اور خود اپنی

بھی اصلیت کے تعلق سے کچھ عمیق و فیصلہ کن انکشافات کر کے منکرین پر اتمام حجت کرنا چاہتی تھی، تا کہ ان کے پاس اس کی تکذیب کا کوئی بھی عذر باقی نہ رہ سکے۔ انشاء اللہ العزیز ہم ان حقائق پر خاطر خواہ گفتگو اگلے ابواب میں کریں گے۔ اب حسب ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو جو ٹھیک اسی خدائی مقصد کی نشان دہی منصوص طور پر کرتے ہوئے ہمارے موجودہ طرز فکر کو پروان چڑھانے والی بھی ہے:

۹- ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (حم سجدہ:۵۳)

ترجمہ: ہم عنقریب ان (کفار) کو اپنی نشانیاں زمین اور آسمانوں کے اطراف و اکناف میں بھی اور خود ان کی جانوں میں بھی دکھادیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ یہی (قرآن) حق ہے۔ کیا تمہارے رب کے لئے یہ کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے؟

یہاں درایت و روایت دونوں ہی اعتبارات سے ﴿الْآفَاقِ﴾ کے معنے ''زمین اور آسمانوں کے اطراف و اکناف'' کے آتے ہیں:

''ما ظهر من نواحي الفلك وأطراف الأرض'' (لسان العرب، تاج العروس)

''ما ظهر من نواحي الفلك'' (القاموس المحيط)

''أقطار السماوات والأرض'' (سيوطى، قرطبى عن عطاء وابن زيد)

چنانچہ اس سے بخوبی ظاہر ہو رہا ہے کہ یہاں زمین اور آسمانوں کے اطراف و اکناف کی وہ خدائی نشانیاں جنہیں قرآن مجید متقدمین سے مستور الحال رکھ کر متاخرین پر ظاہر کرنے کا منصوص اعلان کر رہا ہے وہ سابقہ شمارات کے ذریعے ثابت شدہ اور اب تک ہم سے پوشیدہ یہی دیو ہیکل کائنات اور خصوصیت کے ساتھ اس میں موجود ان گنت زمینیں ہیں۔ یاد رہے کہ اوپر مذکور شمارہ ۵ کا تعلق، جہاں ساتوں آسمانوں میں ان گنت زمینوں کے وجود کی خبر دی گئی تھی، اگر سورۂ حم سجدہ کی ابتدا سے تھا تو موجودہ شمارے کا تعلق بھی اسی سورت کے اختتام سے ہے، جس سے ہمارے استدلال پر یکسر نئی روشنی پڑتے ہوئے اسے مزید تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طرح راقم سطور کی موجودہ کاوش کی تائید و نصرت میں ایک نہایت اہم اور منصوص خدائی سند و تصدیق بھی مہیا ہو جاتی ہے۔ پھر ﴿حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (تا کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ یہ قرآن ہی حق ہے) کے ذریعے اس حکیمانہ اخفا و اظہار کی غرض و غایت کا خلاصہ کیا جارہا ہے کہ اولین سے مخفی رکھے گئے یہ آسمانی حقائق آخرین پر خود ان کے علوم و فنون کے ذریعے اس لئے ظاہر کئے جارہے ہیں تا کہ ان پر کتاب الٰہی کا عظیم علمی اعجاز ظاہر کیا جا سکے، اور انہیں کامل شرح صدر حاصل ہو جائے کہ اس کتاب برحق کو نازل کرنے والی عین وہی ذات ہے جس نے ساری کائنات کی تخلیق بھی فرمائی ہے۔ پھر ﴿أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب ہر چیز کا شاہد ہے؟) کے ذریعے اس مفہوم کو

مزید مؤکد کرتے ہوئے انسان سے بطور حجت سوال کیا جارہا ہے کہ خود اس کے تجربات ومشاہدات پر مبنی علم کسبی اور منجانب اللہ نازل کردہ علم وہبی میں اس قدر تطبیق وہم آہنگی کے اثبات واظہار کے باوجود کیا اس کے دل ودماغ میں اب کوئی شک اپنے رب کے جمیع مظاہر کائنات پر محیط کلی وقطعی علم کے تعلق سے باقی بھی ہے؟ اور کیا اس کی یہ بے نظیر ہمہ دانی وہمہ علمی اس کی خلاقیت وربوبیت اور اس کے نتیجے میں اس کی الوہیت ومعبودیت کا اثبات کرنے والی نہیں ہے؟ اسی لئے کتاب اللہ ایک اور جگہ ان نشانیوں کو مستقبل میں ظاہر کرنے کا اعلان کرتے ہوئے یہ دعویٰ بھی پیش کررہی ہے کہ وہ اس قدر واضح یعنی علم انسانی سے اس قدر میل کھانے والی ہونگی کہ خود کفار ومنکرین تک انہیں ضرور پہچان لیں گے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا، وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (نمل:۹۳)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے، جو عنقریب تم (گمراہ لوگوں) کو اپنی نشانیاں دکھادے گا، اور تم انہیں پہچان بھی لوگے۔ اور تم جو کچھ کررہے ہو اس سے تمہارا رب غافل بھی نہیں ہے۔

غور کیا جاسکتا ہے کہ اس شمارے کی ان دونوں آیات کے ذریعے کتاب اللہ عقل انسانی اور علوم طبیعی کو کس قدر قابل حجت اور قابل استدلال قرار دے رہی ہے۔ ان کی حجیت کا بھی یہ عالم کہ ان کے ذریعے انسان رب العالمین کے دلائل ربوبیت کی معرفت حاصل کرسکتا ہے، اور انہیں میزان عدل بنا کر خود صحیفہء ربانی کی صداقت وحقانیت تک رسائی بھی ممکن ہے! اللہ کی پناہ علم انسانی کی بھی کیا بن آئی۔ باری تعالیٰ والد ماجد حضرت علامہ محمد شہاب الدین ندوی قدس سرہ العزیز کے درجات قرب میں اضافہ اور آپ کی تربت پر اپنے رحم والطاف کا خصوصی نزول فرمائے کہ آپ نصف صدی قبل ہی اس حقیقت عظمیٰ کی کلی معرفت حاصل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہوگئے، اور آپ نے ایک سو سے بھی زائد تصنیفات کے ذریعے اس فن کے مختلف خدوخال کو واضح کرتے ہوئے اس میدان میں ایک بے نظیر اور جلیل القدر تجدیدی کارنامہ انجام دیا۔ آج آپ کی ایمان ویقین اور علم وعرفان سے مزین اور اخلاص وللّٰہیت سے سرشار اسی صدا اور احیائے دین متین کی اسی تڑپ کا نتیجہ ہے کہ کتاب ہذا منظر عام پر آسکی ہے۔ فجزاہ اللہ عنی وعن الإسلام والمسلمین ورحمه رحمة واسعة وغفر له وأسبغ عليه نعمه وأدخله في فسيح جناته!

نیز اس شمارے کی ان دونوں آیات پر ایک دوسرے زاویے سے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں ہر جگہ ان خدائی نشانیوں کے مستقبل میں ظاہر کئے جانے کا اعلان رسول اکرمؐ کے ذریعے کفار ومنکرین کو مخاطب فرما کر کیا جارہا ہے، اور یہ پیش گوئی کی جارہی ہے کہ وہ انہیں یقینی طور پر پہچان بھی لیں گے، اور ان پر حق واضح ہوکر رہے گا۔ اب ظاہر ہے کہ انہیں کتاب الٰہی کی صحت وصداقت اور اس کی حقانیت کا علم خود انہیں کے علوم وفنون ہی کی روشنی میں حاصل ہوسکے گا۔ اگر یہ علوم وفنون آج بھی خود مؤمنین ومسلمین ہی کے ہاتھوں میں ہوتے تو ان میں وہ تاثیر نہ ہوتی۔ چنانچہ اس سے بخوبی ظاہر ہورہا ہے کہ آج کتاب الٰہی کے عظیم علمی اعجاز کے ظہور کے وقت علوم طبیعی کا منکرین ومعاندین کے ہاتھوں میں ہونا بھی خدائی حکمت ومصلحت اور اس کی گہری منصوبہ بندی میں شامل ہے، تاکہ یہ خود ان کے اپنے علوم

وفنون ہونے کی وجہ سے ﴿فَسَعْرِفُوْنَهَا﴾ کے مصداق ان کے پاس اس کی مزید تکذیب کی کوئی بھی گنجائش باقی نہ رہ سکے۔ یعنی اگر مؤمنین کے ہاتھ میں علم وہبی ہو تو منکرین کے پاس علم کسبی۔ اسی وقت ان دونوں کے درمیان بے نظیر تطبیق وہم آہنگی کے ذریعے کتاب الٰہی کے علمی اعجاز کے اثبات اور منکرین پر حجت کے اتمام کا مؤثر سامان ہو سکے گا۔ اب غور کیا جا سکتا ہے کہ منکر اہل سائنس غیر شعوری طور پر سائنس کی تعمیر وترقی کے ذریعے خود دین اسلام اور کتاب الٰہی کی کس قدر خدمت کر رہے ہیں، اور عدم واقفیت کی وجہ سے اس کی صداقت وحقانیت اور اس کے عین مطابق عقل وفطرت ہونے پر کتنے مضبوط علمی وعقلی دلائل وبراہین فراہم کرتے جا رہے ہیں؟ کیا عصر حاضر میں کتاب الٰہی کا اس سے بڑا کوئی اور بھی معجزہ ہو سکتا ہے، اور کیا منکرین پر اور خصوصیت کے ساتھ معتولیت پسند مادہ پرستوں پر اتمام حجت کا کوئی اور بھی کارگر طریقہ ہو سکتا ہے کہ انہیں خود انہیں کی لاٹھی سے ہانکا جائے؟ لہٰذا شان کریمی سے کچھ بھی بعید نہیں کہ ﴿فَسَعْرِفُوْنَهَا﴾ کے مطابق کتاب الٰہی کا موجودہ علمی اعجاز ان کے دل ودماغ پر اثر کر جائے اور ان کا ایک بڑا اور شریف الطبع وکریم النفس طبقہ رب العالمین کی ربوبیت کی گواہی دے جائے اور اس کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دے، ﴿وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾!

یہاں اس حقیقت کا اظہار کر دینا بھی غیر مناسب نہیں ہوگا کہ دور حاضر میں کچھ آیات وقرآنی بیانات کے مفہوم ومدلول میں وسعت یا تبدیلی پیدا ہو جانے سے سلف صالحین وائمہ مفسرین کے فہم قرآن پر ذرا بھی آنچ نہیں آسکتی ہے، کیونکہ قرآن حکیم نے جدید حقائق کے بیان میں جس حکمت ومصلحت، احتیاط اور دور اندیشی کا مظاہرہ کیا ہے اس سے بھی، اور خود ان خدائی نشانیوں کے مستقبل میں ظاہر کئے جانے کی مذکورۂ بالا تصریحات سے بھی بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ من جانب اللہ وہ اسی فہم کے مکلف تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے ادوار میں ان کے جو بھی معانی ومفاہیم مراد لئے وہ خوب تھے۔ نیز کلام اللہ کے زندہ وتابندہ اور ابدی وسرمدی ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ ہر دور میں فعال ومتحرک رہے، اور نوع انسانی کو علوم وفنون میں ترقی کی بدولت اس سے تازہ بتازہ ہدایات ربانی حاصل ہوتی رہیں، تاکہ وہ علم وعقل، افکار ونظریات اور دلیل واستدلال کے کسی بھی زمرے میں اپنے آپ کو کمزور اور بے سروسامان محسوس نہ کر سکے۔ لہٰذا جب کبھی مستند ومتداول تفسیری اصولوں کے تحت الفاظ قرآنی کے کوئی نئے معانی ومعارف ظاہر ہوں تو انہیں بھی من جانب اللہ ہی تسلیم کیا جائے۔ اس وقت خصوصیت کے ساتھ یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ ان اصول تفسیر وقواعد فہم قرآن کو بھی، جن پر اس وقت ہمارا اعتماد واستناد ہے، خود انہیں متقدمین نے مرتب ومدون کیا ہے۔ چنانچہ یہ اصول ہر کسی دور کے لئے بھی ایک ہی ہوتے ہیں، جن میں کسی بھی طرح کی ترمیم وتبدیلی محال ہے۔ البتہ جہاں تک خود فہم قرآن کا تعلق ہے اس میں اختلاف نہ صرف ممکن بلکہ متعدد حیثیتوں سے ممدوح ومستحسن بھی ہے، اور اس پر تاریخ تفسیر کی پوری چودہ صدیاں شاہد عدل بھی ہیں۔ احقر راقم سطور کو یہاں اس امر پر کامل شرح صدر حاصل ہے کہ عہد رسالتؐ میں قرآن عزیز کے نزول کی جو تکمیل ہوئی تھی اس کا معنوی نزول پورے آب وتاب کے ساتھ وقتاً فوقتاً آج تک برابر جاری ہے،

اور رہتی دنیا تک جاری بھی رہے گا۔ یعنی اس کے الفاظ رہیں گے تو وہی قدیم، مگر ان کے معانی ہمہ وقت تازہ و تابندہ اور جدید سے جدید تر۔ چنانچہ حسب ذیل آیات میں ٹھیک اسی حقیقت کا اظہار نہایت واضح الفاظ میں اور منصوص طور پر کیا جارہا ہے:

۱۰- ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ. اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ. فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ. ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ (قیامہ:۱۶-۱۹)

ترجمہ: آپ اس (قرآن) کو جلدی جلدی لینے کی خاطر اس پر اپنی زبان مت ہلایا کیجئے۔ یقیناً اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوانا ہمارے ہی ذمہ ہے۔ لہذا جب ہم پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔ پھر (جب ہم چاہیں) اس کی تشریح بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔

یہاں ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ (پھر قرآن کی تشریح بھی ہمارے ہی ذمہ ہے) سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی تبیین و تشریح کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے خاص کر رکھا ہے۔ اور یہ خدائی تشریح یعنی قرآنی الفاظ کا معنوی نزول حسب مشیت الٰہی کبھی بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ ﴿ثُمَّ﴾ (پھر) ترتیب کے ساتھ تراخی کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ چنانچہ یہ ربانی پیش گوئی خصوصیت کے ساتھ پچھلے شمارے میں مذکور ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ (عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھادیں گے)، ﴿سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ﴾ (عنقریب وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھادے گا) وغیرہ دیگر پیش گوئیوں پر بھی ہر طرح سے منطبق ہونے والی اور ان کی عملی شکل کو بھی ظاہر کرنے والی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ آگے چل کر جب منکرین و معاندین پر خود انہیں کے علوم و فنون کی روشنی میں اور ان کی عقل و فہم کے مطابق ان نشانات ربوبیت و معجزات الٰہی کا ظہور ہوگا تو وہ رب العالمین کی جانب سے ان کی تشریح نو یعنی ان کے جدید معنوی نزول کی بنیاد ہی پر ہوگا۔ چنانچہ حدیث نبوی ﷺ "دوروا مع كتاب الله حيث ما دار" (اللہ کی کتاب جدھر بھی گھومے تم اس کے ساتھ ادھر گھوم جاؤ) سے اشارہ بھی اسی جانب ہے کہ قرآن مجید جب کبھی اور جیسی بھی ہدایت پیش کرتا جائے اس کا اتباع لازم ہوتا ہے۔ نیز ارشادات رسول ﷺ "القرآن ذو وجوه" (قرآن مختلف چہروں والا ہے)، "لا يشبع منه العلماء" (علماء اس سے کبھی شکم سیر نہیں ہو سکیں گے) اور "لا تنقضي عجائبه" (قرآن کے عجائب کبھی ختم نہیں ہونگے) کا خاصہ بھی تو یہی ہے۔

اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہو سکتا ہے کہ علم کی ترقی کی بدولت آج کا انسان زیادہ معلومات رکھتا ہو، مگر سلف صالحین و ائمہء متقدمین کا فہم اور ان کی علمی و دینی بصیرت ہم سے بہت زیادہ فائق تھی، کیونکہ انہیں وہ زمانہ نصیب ہوا تھا جس میں علم انسانی ابھی اپنے ایام طفولیت ہی میں تھا، اور یہ کہ انہوں نے کتاب اللہ کی خدمت اس عزیمت و استقامت کے ساتھ کی اور بہت ساری لفظی و ترکیبی اور فکری و نظریاتی مشکلات کے باوجود امت کو اختلاف و انحراف سے محفوظ رکھنے کا اس قدر اہتمام و التزام فرمایا کہ پوری تاریخ انسانیت اس کی کوئی ادنی سی مثال بھی پیش

کرنے سے قاصر رہی ہے۔ یقیناً یہ کتاب الٰہی ہی کا معجزہ ہوسکتا ہے۔ نیز آج ہم اپنی علمی عمارت جن بنیادوں پر تعمیر کر رہے ہیں وہ انہی صالحین کی فراہم کردہ ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ آج اگر ایک رازیؒ، غزالیؒ یا شاہ دہلویؒ ہوتے، یا خود علامہ ندویؒ ہی کو اس تعلق سے ایک ہلکی سی شہ بھی مل جاتی تو علم کی کس قدر آبیاری ہوتی! یہاں اس عاجز کو اس بات کا پورا اعتراف واعتقاد ہے کہ وہ ان ائمہ دین وسلف صالحین کا ایک ادنی سا خلف ہی ہے۔ ﴿ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ، وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾۔

مزید برآں "القرآن ذو وجوه" کے تحت یہ توجیہ بھی قرین عقل اور عین ممکن ہے کہ اسلاف نے قرآن حکیم کا ایک چہرہ دیکھا ہو، جب کہ ہمارے آگے اس کی ایک دوسری ہی علم کشا اور تابناک وخیرہ کن شکل نمودار ہو رہی ہو۔ یہاں یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ قرآن حکیم کی بیشمار آیات ایسی بھی ہیں جن کے حقیقی منشا ومراد کے تعلق سے شروع دور ہی سے امت کے درمیان کافی اختلاف چلا آیا ہے، اور مفسرین ومحققین کے درمیان ان کے کسی ایک معنے پر اتحاد واتفاق ممکن نہیں ہوسکا ہے۔ بلکہ ان سے ہر آیت کے متعدد اقوال وآراء منقول ہوئی ہیں جن میں سے اکثر مختلف النوع مجازی تاویلات ہی پر مبنی اور حیرت انگیز طور پر تفسیر بالرائے کی قبیل سے ہیں۔ جب کہ اب تک ہماری پوری کوشش یہی رہی ہے، بلکہ انشاء اللہ العزیز آگے پوری کتاب میں بھی رہے گی، کہ تفسیر کے سب سے پہلے اور بنیادی اصول کے مطابق الفاظ قرآنی کو صرف ان کے حقیقی معانی ہی پر محمول کرتے ہوئے "القرآن یفسر بعضه بعضا" (قرآن کا بعض حصہ بعض دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے) کے مطابق ایک مشکل قرآنی بیان کی تشریح وتوضیح ربط آیات کے ذریعے خود اسی کے سیاق وسباق سے یا اس کے دیگر مناسب وموزوں بیانات سے یا خود کسی دوسرے مشکل بیان ہی سے کرتے ہوئے سارے قرآن میں ایک جلیل القدر مقصد کے حصول کی خاطر نہایت حکمت ومصلحت اور منصوبہ بند طریقے سے قصداً بکھیرے ہوئے ان کل پرزوں کو ایک انقلابی فلسفے کے تحت جوڑ کر نوع انسانی کے آگے کلام اللہ کے عظیم ترین علمی اعجاز کی جلوہ گری کی جائے۔

چنانچہ باریٔ تعالیٰ کی اپنے احکامات وارشادات کو جزوی طور پر سارے قرآن میں دیدہ ودانستہ بکھیر دینے کی ٹھیک یہی حکمت عملی اس کے دیگر سارے ہی مضامین ومباحث میں بھی اسی درجے میں پائی جاتی ہے۔ چاہے ان کا تعلق طہارت، نماز، روزہ، زکاۃ، حج، نکاح، طلاق، نفقہ، وراثت وغیرہ شرعی احکام سے ہو یا فکری ونظریاتی امور سے، اعتقادات واخلاقیات سے ہو یا معاملات سے، قصص النبیین سے ہو یا تاریخ امم سے، کوئی بھی امر ایسا نہیں ہے کہ اس کے متعلق سارے احکام وارشادات اس میں یکجا طور پر بیان کر دئے گئے ہوں۔ اب اگر روزمرہ کے ان شرعی امور ومسائل ہی میں اس طرز تعبیر کو ترجیح دی گئی ہے تو فکری ونظریاتی اور علمی واعجازی علوم ومعارف کا کیا کہنا؟

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط و ترتیب : حافظ محمد سلمان الحق انوار حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مکافاتِ عمل اور صدقات جاریہ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم. رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبہ انک سمیع الدعا (ال عمران)

ترجمہ: ''اے پروردگار! ہم کو آپ عطا فرما اپنی طرف سے نیک اولاد۔ آپ ہی تو دعاؤں کے سننے والے ہیں۔''

وعن ابی ہریرۃؓ ان رسول صلعم قال اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الامن ثلثۃ اشیاء من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع منہ اوولد صالح یدعوالہ (ابی داؤد ج ۲)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہؓ نے حضورﷺ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے، مرنے کے بعد ان کے نیک اعمال کا ثواب مسلسل جاری نہیں رہتا، مگر تین کاموں کا ثواب بند نہیں ہوتا بلکہ ان کا ثواب برابر جاری رہتا ہے۔(۱) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جارہا ہو (۳) اور نیک اولاد (جو اس کے مرنے کے بعد) اس کے حق میں دعا کرتی رہے۔''

نیک اولاد کی دعا:

محترم حاضرین! ابتداء میں جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی' یہ حضرت ذکریاؑ کی وہ دعا ہے جو انہوں نے نیک اولاد کے حصول کیلئے رب العزت سے مانگی۔ اسی طرح سیدنا ابراہیمؑ کی اولاد کے بارے میں دعا قرآن مجید کی سورۃ صافات میں آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ رب ھب لی من الصالحین اے رب تو ہمیں نیک اولاد عطا فرما۔ ہمیشہ آپ کو عرض کرتا ہوں کہ اللہ کی لاتعدو لاتحصیٰ نعمتوں میں ایک عظیم نعمت اولاد کا حاصل ہونا ہے۔ ایک شخص کے پاس دنیا و مافیہا اور اسکے خزانوں کے انبار لگے ہوں مگر اولاد نہ ہو' جب وہ اولاد کے نہ ہونے کا تصور کرتا ہے' تو اس کی تمام خوشیاں ماند پڑ کر نہ اس کے دل کا سرور اور قرۃ العیون ہوتا ہے اور نہ زندگی میں وہ چہل پہل اور چہرے پر مسرت اور خوشی کے آثار جو اولاد جیسی نعمت کی موجودگی سے ہوتی ہے۔

مقصد حیات:

رب العزت نے کائنات اور اس میں پیدا کئے تمام اشیاء حضرت انسان کیلئے پیدا فرمائے۔ انسان کے پیدا